© rasailojaraid.com

اسلامی فقہ اکیڈمی ہند کے سوالات کا جواب

حافظ غلام حسین مدیر مسئول و سینئر ریسرچ آفیسر

نوٹ: گزشتہ صفحات میں مذکور اسلامی فقہ اکیڈمی ہند کی طرف سے موصول ہونے والے زکواۃ کے متعلق چند سوالات کے جوابات منہاج کے مدیر مسئول اور سینئر ریسرچ آفیسر حافظ غلام حسین صاحب نے لکھے ہیں۔ جنہیں ادارہ شائع کر رہا ہے۔ اس کے بعد اہل علم کے جوابات جوں جوں موصول ہوں گے۔ ہم انشاء اللہ انہیں ہدیہ قارئین کرتے رہیں گے۔ (ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلواۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین امابعد!

اسلامی فقہ اکیڈمی ہند لائق مبارک باد ہے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سماجی، تہذیبی اور دینی ضروریات کو سامنے رکھ کر جدید دور میں پیش آمدہ مسائل کے حل کیلئے ایک مستقل ادارے کے طور پر کام کر رہی ہے جس کا فائدہ نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کو ہوتا ہے بلکہ پورے عالم اسلام میں اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

ہندوستان کے مسلمان پچھلی کئی صدیوں سے اسلامی علوم وفنون کی ترویج میں ایک خاص کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ جس کی گواہ کئی صدیوں پر پھیلی ہوئی تاریخ ہے۔ جس کا اعادہ یہاں پر ضروری نہیں۔ تاہم یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ اکیڈمی ہند فتاوی عالمگیری کی تیاری کی طرز پر "مجلس مؤلفین فتاوی عالمگیری" کی صدائے بازگشت ہے اور یہ توقع بجا طور پر کی جاسکتی ہے کہ اس کے مسائل کے اخذ واستنباط کا معیار اپنے دور کے لحاظ سے فتاوی عالمگیری کے معیار سے کم نہ ہوگا۔

جہاں تک اس موجودہ سوال نامے کا تعلق ہے اس میں اسلام کے ایک اہم بنیادی رکن زکواۃ کے متعلق موجودہ دور میں جبکہ ذرائع اور وسائل بہت ہی پر پیچ ہوگئے ہیں اور معیشت میں حلال وحرام کی تمیز ایک دشوار ترین امر ہوگیا ہے۔ صاحب نصاب زکواۃ اور مستحق زکواۃ کا تعین مشکل ہوگیا ہے۔ اموال کی اقسام کی تفریق ممکن نہیں رہی زکواۃ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسائل کا استنباط واستخراج کی ضرورت نئے سرے سے پیش آرہی ہے، بحث ضروری ہے۔ پاکستان میں بھی اس پر کام ہورہا ہے جو کچھ تو عملی بنیادوں پر اور کچھ نظری بنیادوں پر ہے۔ برصغیر پاک وہند میں اسلامی نظام معیشت کو متروک ہوئے تقریبا دو صدیاں گزر گئیں اس لئے نظری وفکری کام کو عملی سانچے میں ڈھالنے میں بہت سی دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ ان دشواریوں کو دور کرنے کیلئے حکومت پاکستان اسلامی نظریاتی کونسل اور علماء پاکستان کوششیں کرتے رہے ہیں۔ پاکستان میں رائج نظام زکواۃ اگرچہ اپنے ثمرات ظاہر نہیں کرسکا تاہم خط افلاس سے نچلے درجے کے لوگوں کی معیشت میں بہتری پیدا کرنے کیلئے کسی نہ کسی حد تک کامیابی حاصل ہورہی ہے۔ چونکہ مسلمانان برصغیر پاک وہند ڈیڑھ صدی تک اقتدار کی قوت نافذہ سے محروم رہے اور اسلامی نظام معیشت کی بجائے سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے تحت زندگی گزارتے رہے اور سرمایہ دارانہ تصورات ونظریات اوپر سے نیچے تک تمام طبقوں میں راسخ ہوگئے جس کی بنیاد صرف "حصول حق" ہے "ادائے حق" نہیں اور جس میں انسان کے متعلق بنیادی تصور حیوان ناطق کا ہے اشرف المخلوقات کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان اسلام کے فلاحی معاشی نظام سے نظری اور عملی طور پر بحیثیت مجموعی ناواقف ہیں اور ڈیڑھ صدی کے اندر اسلام کے معاشی نظام کا جو ارتقاء ہونا تھا وہ نہیں ہوسکا۔ ہمارے پاس کتابوں میں موجود مسائل اور ان کے حل ہمارے ڈیڑھ سو سال پرانے احوال کا جواب تو دیتے ہیں لیکن آج کے مسائل کا حل دشوار نظر آتا ہے اور جب ہمیں کسی مسئلے کا حل تلاش کرنا ہوتا ہے تو ہمارا رکاہوا ذہن اتنی لمبی جست لگانے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قرآن وسنت، اسوہ خلفائے راشدین، آثار صحابہ اور اقوال ائمہ اربعہ کی روشنی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فلسفہ "الجمع بین المختلفات" کے تحت آج کے مسائل کا حل اس طرح پیش کریں کہ موجودہ دور کا انسان اسلام پر عمل کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہ کرے۔

سوال نامے کے محور اول میں جن مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے ان میں اموال زکواۃ ۲
کے بارے میں استفسارات ہیں۔ جوابات رقم کرنے سے پہلے مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور، پاکستان کسی بھی سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ بات بتادینا ضروری سمجھتا ہے کہ سوال کا جواب دینے کا ہمارا طریقہ کار کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم موجودہ دور کے مسائل کے حل میں جامد تقلید کی بجائے اگر ضرورت ہو تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ساتھ باقی ائمہ ثلاثہ کے رشحات فکر سے بلا تردد اور بھرپور انداز سے استفادہ کے قائل ہیں۔

قرآن حکیم نے اموال زکوٰۃ میں کوئی محدود اور متعین قسم کی پابندی نہیں لگائی اور اموال زکوٰۃ کی تعیین کا اختیار نبی کریم ﷺ کے سپرد کیا اور فرمایا:

وانزلنا الیک الذکر لتبین الناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون

یہاں پر احکام کو بیان کرنے کا اور ان کی وضاحت کا حق نبی اکرم ﷺ کو عطا کیا گیا اور اس کے بعد "و لعلھم یتفکرون" فرما کر مسلمانوں کو "منزل من اللہ" احکام میں غور وفکر کرنے کی ترغیب دلائی گئی جو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عام مسلمان غور وفکر کرنے کے بعد جس نتیجے پر پہنچیں وہ قابل عمل ہے۔

ماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن

اگر ایسا نہ ہو تو دعوت فکر مہمل ہو کر رہ جاتی ہے لہذا اموال زکوٰۃ کی تعیین کرتے وقت قرآن وسنت کے مجمل اشارات کی روشنی میں تفصیلات طے کرنے کا حق علماء مسلمین کو حاصل ہے اور موجودہ دور میں اموال کی تعیین نئے سرے سے کی جاسکتی ہے۔

قرآن مجید نے جن چیزوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں سونا، چاندی کا تذکرہ سورہ توبہ: آیت نمبر ۳۴، زرعی پیداوار کا تذکرہ سورہ آل عمران: آیت نمبر ۱۴۱، پیشہ ورانہ اکتساب مال کا تذکرہ سورہ بقرہ: آیت نمبر ۲۶۷، کنزو دفینہ جات اور معدنیات کا تذکرہ سورہ البقرہ: آیت نمبر ۲۶۷ میں ہے۔ ان کے علاوہ قرآن مجید نے مطلق مال پر بھی زکوٰۃ کو عائد کیا ہے۔ سورہ توبہ: آیت نمبر ۱۰۳ اور سورہ الزاریات: آیت نمبر ۱۹ جبکہ مال کے لفظ کی توضیح وتشریح عام مسلمانوں پر چھوڑ دی ہے۔ اس زمانے میں جب قرآن نازل ہو رہا تھا اور جس کے مخاطب عرب تھے ان کے نزدیک مال سونا، چاندی، بھیڑ بکری، اونٹ، گھوڑا، کھجور اور پھل اور وہ چیزیں جو ان کی ضروریات کو خریدنے میں کام آتی تھیں، مال کے مترادف تھیں۔ آج جب ہم لفظ مال کا معنی متعین کرنے لگیں گے تو ہمیں اپنے ارد گرد کے احوال و ظروف کو دیکھ کر ائمہ اربعہ اور سنت نبویہ ﷺ سے روشنی حاصل کرتے ہوئے مال کی تعریف کرنا ہوگی۔ مال کے شرعی معنی کی تعیین میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ فقہائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احناف کے نزدیک ہر وہ چیز مال ہے جس کو جمع کیاجاسکے اور جس سے معمولاً فائدہ اٹھایا جاسکے۔ گویا فقہائے احناف کے نزدیک مال میں ان دو صفات کا ہونا ضروری ہے اور اگر بیک وقت یہ دونوں صفات کسی چیز میں نہ ہوں تو احناف کے نزدیک وہ مال نہ ہوگا۔ اس تعریف کی رو سے مال وہی ہوسکتا ہے جو مادہ ہو اور اس پر قبضہ بھی کیا جاسکے۔ اس سے جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تک اشیاء کے فوائد کا تعلق ہے مثلاً رہائش سواری، پوشش وغیرہ تو ان کا شمار مال میں نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ فوائد قبضہ میں نہیں لئے جاسکتے۔اسی طرح حقوق کو بھی قبضہ میں نہیں لیا جاسکتا جیسا کہ حق حضانت اور حق ولایت وغیرہ اس کے برعکس شوافع مالکیہ اور حنابلہ فوائد کا شمار بھی مال ہی میں کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مال کے اطلاق کیلئے یہ ضروری نہیں کہ اسے فی نفسہ محفوظ بھی کیا جاسکے بلکہ اگر اس کے اصل اور مصدر کو محفوظ کیاجاسکتاہو تو یہ کافی ہوگا۔ چنانچہ جو شخص کسی بھی چیز کو اپنے لئے خاص کرلیتا ہے وہ اپنی اجازت کے بغیر کسی کو فائدہ اٹھانے نہیں دیتا۔اس فائدہ کا عوض بھی مال ہی ہوگا۔ آج کے اس دور میں فوائد کو اپنے لئے مخصوص کرلینے اور ان کو آگے اجارہ پر دینے کا رواج عام ہے تو اجارے پر فوائد دیئے جاسکتے ہوں تو ان کو مال شمار کیوں نہیں کیا جاسکتالہذا آج جب ہم مال کی تعریف کرنے لگیں گے تو فوئد بھی مال کی تعریف میں بصورت اجارہ متشکل ہوجائیں گے اور ان متشکل اموال پر اگر بقدر نصاب ہوں، تو زکواۃ عائد کی جائے گی۔ جہاں تک اس رائے کا تعلق ہے کہ مال قابل قبضہ بصورت شے ہوتا کہ اسے وصول اور اخذ و قبول کیاجاسکے تو اس سلسلے میں ہم عرض کرچکے ہیں کہ فوائد اگر بصورت اجارہ مال متشکل کی صورت اختیار کرلیں تو وہ قابل اخذ و قبول ہوجاتے ہیں۔

رہیں وہ شرائط جو اموال میں زکواۃ کو واجب کرتی ہیں تو ان میں پہلی شرط ملک کی ہے۔ اب ملک دو طرح کی ہوتی ہے ایک ملک تام اور دوسری ملک ناقص۔ملک تام سے مراد کوئی حقیقی ملک نہیں کیونکہ حقیقی ملک تو صرف اللہ وحدہ لاشریک کیلئے ثابت ہے۔ اس ملک سے مراد صرف قبضہ تصرف اور وہ اختصاص ہے جو اللہ نے انسان کو عطا فرمایا ہے۔ ملک کے معنی کسی چیز پر قابض ہونے اور اس میں تصرف کا اختیار رکھنے کے ہیں اس لغوی معنی کا لحاظ شرعی معنی میں بھی کیا گیا ہے اور شرعی طور پر ملک تام ہونے کا یہ مطلب ہے کہ یہ مال اس شخص کا مملوک ہو اور اس کے قبضہ میں ہو اور کسی دوسرے کا کسی قسم کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی حق اس مال سے متعلق نہ ہو۔ اس لئے فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے جس مال کو تجارت کی غرض سے خرید اگیا ہو اور اس پر ابھی تک قبضہ نہ کیا گیا ہو تو خریدے ہوئے مال پر زکواۃ عائد نہیں ہوتی۔اسی طرح مرھونہ اشیاء جو مرتہن کے قبضہ میں ہوں تو عدم ملکیت کی بناء پر ان میں بھی زکواۃ واجب نہ ہوگی۔(۱)

جواب نمبر ۱: لہذا اس اصول کے پیش نظر سوال نمبر ۱ میں دی گئی پیشگی رقم اور قبضہ میں نہ آئے ہوئے مال پر زکواۃ نہ ہوگی اور بصورت قبضہ مال کی زکواۃ مشتری اور ثمن کی زکواۃ بائع ادا کرے گا۔

جواب نمبر ۲: پیشگی رقم جو کہ کرایہ کی مد میں نہ ہو بلکہ (Security) کے طور پر ہو تو وہ بطور وثیقہ اور رہن کے ہے۔ مالک مکان کو اس سے استفادہ کسی طور پر جائز نہیں کہ ربوا ہے۔ اس کا حکم بھی رہن کا ہوگا کہ راہن پر قبضہ نہ ہونے کی بنا پر اس رقم کی زکواۃ نہ ہوگی اور مالک مکان پر اس وجہ سے نہ ہوگی کہ وہ اس کا مالک نہیں۔ باقی اس کو مالک مکان کے حق میں قرض قرار دیا جائے تو اجارہ میں یہ قرض جائز نہیں۔ تاہم دی گئی پیشگی رقم کی زکواۃ واپس ملنے کی صورت میں کرایہ دار پر ہوگی البتہ اگر دوران ڈیپازٹ مالک مکان اس مال سے مالکانہ استفادہ کرتا رہا ہو اور یہ رقم امانت کی رقم کی طرح اس کے پاس محفوظ نہ پڑی رہی ہو تو وہ اس کی زکواۃ ادا کریگا۔ کیونکہ اس صورت میں غرباء کے حق کی رعایت زیادہ ہے جو کہ زکواۃ کا ایک اہم مقصد ہے۔

جواب نمبر ۳: جہاں تک سوال نمبر ۳ کا تعلق ہے تو ایسا مال جس کا مالک کوئی معین نہ ہو اس کی دو صورتیں ہوئیں یا تو وہ حکومت کی ملک ہوگا یا پھر کوئی وقف ہوگا تو حکومت کے اموال چونکہ تمام مسلمانوں کی مشترک ملک ہوتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے ہی مفادات پر صرف ہوتے ہیں اس لئے ان اموال سے زکواۃ کاٹ کر پھر مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کرنا جب کہ وہ سارے کے سارے مال ہی مسلمانوں کے مصالح کیلئے ہیں تو یہ ایک لایعنی سی بات ہوجاتی ہے۔

۱۔ البحر الرائق ج:۶ ص:۲۱۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں تک اوقاف کے اموال کا تعلق ہے تو وہ اموال خود پہلے ہی صدقہ ہیں تو صدقے پر صدقے کا کوئی اطلاق نہیں ہوتا۔

جواب نمبر ۴: جہاں تک اموال حرام میں زکواۃ کا تعلق ہے تو چونکہ ان کی ملکیت ناقص ہے درحقیقت وہ شخص جس کے قبضے میں وہ مال ہے اس کا مالک نہیں بلکہ وہ مال واجب الرد الی المالک یا واجب الصدقہ علی فقراء ہے چونکہ وہ اس کا اصل مالک نہیں لہذا اس پر زکواۃ نہیں۔ اس سلسلے میں نص بھی موجود ہے۔

لا یقبل اللہ صدقۃ من غلول (مسلم)

مخلوط مال میں جتنا حلال ہوگا اس کی زکواۃ دینی ہوگی اور جتنا حرام ہوگا وہ کل واجب الرد یا واجب الصدقہ ہے۔ خلط سے اصل مقدار میں فرق نہیں پڑے گا۔

جواب نمبر ۵: قرض کی رقم مالک کی ملک میں تو ہوتی ہے لیکن اس کے قبضہ میں نہیں ہوتی اور اس کی ملکیت تام نہیں اس لئے اس پر اس کی زکواۃ نہیں ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے احسن الفتاوی جلد ۴ ص ۲۶۲ ا۔ البتہ فقہاء کا اس معاملے میں اختلاف ہے کہ آیا جتنی مدت یہ رقم مقروض کے پاس رہی قرض واپس ہونے پر ساری مدت کی زکواۃ دیگا؟ یا صرف اسی سال کی جس سال اسے قرض واپس ہوگا؟ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وہ صرف سال رواں کی زکواۃ ادا کرے گا۔ جبکہ احناف کے نزدیک کوئی زکواۃ نہیں۔ قرض کی دو حیثیتیں ہیں دین مرجو اور غیر مرجو۔ دین مرجو کے بارے میں امام ابو عبید رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ایسا مال دائن کے اپنے قبضے میں ہونے کے مترادف ہے لہذا دائن ہر سال اس کی زکواۃ ادا کرے گا اور یہی رائے قرین قیاس بھی ہے کیونکہ اس میں غرباء کی زیادہ رعایت ہے اور دین غیر مرجو میں احناف کا مسلک قرین قیاس اور زیادہ صائب نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ مال ضمار کے ضمن میں آتا ہے اور مال ضمار وہ ہے جس سے آدمی فائدہ نہ اٹھا سکتا ہو اگرچہ اس کی ملکیت اسے حاصل ہو اور فائدہ نہ اٹھاسکنے کی صورت میں آدمی غنی نہیں ہوتا جبکہ زکواۃ کیلئے غنا کا ہونا ضروری ہے۔(۱)

۱۔ بدائع الصنائع ج: ۲ ص: ۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدیون اگر باوجود قدرت کے ٹال مٹول سے کام لے رہا ہو اور تجارت میں لگا کر اس مال سے نفع کما رہا ہو تب بھی اس پر قرض کی زکواۃ لازم نہ ہوگی کیونکہ یہ اس پر قرض ہے جبکہ مدیون کے ذمے قرض و دین پر زکواۃ نہیں آتی۔

جواب نمبر ٦: جہاں تک پراویڈنٹ فنڈ کی نوعیت کا تعلق ہے تو مختلف اداروں میں اس کی صورت حال مختلف ہوتی ہے بعض اداروں میں پراویڈنٹ فنڈ پر ملازمین کو مالکانہ تصرف کا اختیار ہوتا ہے اور وہ جب چاہیں اس فنڈ میں سے رقم وصول کر سکتے ہیں لہذا ایسی صورت میں ملازم کو اس کی زکواۃ ہر سال ادا کرنا ہوگی۔ اور بعض اداروں میں اس کی صورت ایسی نہیں بلکہ وہ ملازم کو معاہدہ ملازمت ختم ہونے پر ہی حاصل ہوتا ہے اس دوران میں اگر اسے ضرورت پڑے تو اس کے فنڈ میں سے اسے بطور قرضہ رقم دی جاتی ہے جس پر اس سے سود لیا جاتا ہے اور اس کے پراویڈنٹ فنڈ کو بطور ضمانت رہن رکھ لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ملازم پر اپنے پراویڈنٹ فنڈ کی زکواۃ عائد نہیں ہوگی۔ جب معاہدہ ملازمت ختم ہوگا اور پراویڈنٹ فنڈ اسے ملے گا. تو احناف کے نزدیک اس پر گزشتہ سالوں کی کوئی زکواۃ نہیں اور مالکیہ کے نزدیک اس پر ایک سال کی زکواۃ عائد ہوگی۔

دوسری شرط: مال کا نامی ہونا:

نامی ہونے سے مراد یہ ہے کہ مال کے اندر بالفعل یا بالقوۃ مالک کو نفع پہنچانے کی صلاحیت موجود ہو بالفاظ دیگر وہ مال آمدنی کا ذریعہ بن سکتا ہو اس کی دو صورتیں ہیں۔

١۔ ایک تو یہ کہ مال بذات خود بڑھے جیسے مویشیوں کی نسل کشی۔

٢۔ دوسرے یہ کہ وہ مال بصورت تجارت بڑھایا جاسکتا ہو اور اضافہ پذیری کی صلاحیت رکھتا ہو۔ البتہ اگر اس کی نمو پذیری رک گئی ہو تو اس کی دو صورتیں ہوں گی ایک وہ جو نفس مال میں رکاوٹ کے سبب سے ہو اور دوسری وہ جو صاحب مال کی طرف سے رکاوٹ پیدا کرنے سے ہو۔ جو رکاوٹ نفس کی طرف سے ہو مثلاً مال غصب کر لیا گیا قرض دیا اور اس کے ملنے کی امید نہیں کسی جگہ مال دفن کر دیا اور یاد نہیں تو یہ مجبوری کی صورت ہے اور اس میں اس وقت تک زکواۃ نہیں جب تک کہ اسے واپس نہ مل جائے۔ رہی وہ رکاوٹ جو صاحب مال کی طرف سے ہو تو اس کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں اور اس پر زکواۃ کاٹی جائے گی۔ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفصیلات سے یہ ثابت ہوا کہ ہر مال نامی میں زکواۃ واجب ہے۔

تیسری شرط: حوائج اصلیہ سے فارغ ہونا

ہر وہ چیز حاجت اصلیہ میں شامل ہوگی جس پر انسانی زندگی کا اس انسان کے اپنے احوال و ظروف کے اعتبار سے دارومدار ہو مثلاً آلات صنعت وحرفت۔ ایک فیکٹری مالک کیلئے کروڑوں کی فیکٹری بھی حاجت اصلیہ میں شامل ہے۔اس کے مقابلے میں ایک جوتا ساز کیلئے چند اوزار اس کی حاجت اصلیہ ہیں اسی طرح ایک بڑے تاجر کیلئے بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی عمارت جس میں اس کے دفاتر ہیں حوائج اصلیہ ہے لیکن ایک زمین دار کیلئے اپنی رہائش کے علاوہ مکانات جو اس کے استعمال میں نہیں، حوائج اصلیہ میں سے نہیں کیونکہ حوائج اصلیہ ہر وہ چیز ہے جو انسان کے معاشرتی درجہ کے اعتبار سے اس کیلئے ضروری ہو۔البتہ اس معاملے میں اسراف اور ضرورت کی تمیز عاملین زکواۃ کا کام ہے اور اس بات کا اختیار عاملین زکواۃ کو دیا جاسکتا ہے کہ وہ کسی بھی شخص کے سماجی مرتبہ اور شرعی اصولوں کو سامنے رکھ کر حوائج اصلیہ کا تعین کریں۔ حوائج اصلیہ کا اعتبار کرنا اس لئے ضروری ہے کہ زکواۃ کے وجوب کیلئے غنی کا ہونا ضروری ہے اور جو شخص حوائج اصلیہ پوری کرنے کے بعد کچھ نہ رکھتا ہو وہ غنی نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم میں بھی اصطلاح "قل العفو" سے یہی مراد ہے کہ زائد از ضرورت مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔عامل زکواۃ کیلئے حوائج اصلیہ کا تعین کرتے وقت یہ اصول سامنے رکھنا ہوگا کہ حوائج اصلیہ انہی چیزوں کو قرار دے جن سے غرباء کا فائدہ ہوتا اور غرباء کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہو کیونکہ قرآن مجید میں بالصراحت یہ فرمایا گیا ہے۔

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (سورۃ الزاریات: آیت نمبر۱۹)

چوتھی شرط: قرض سے خالی ہونا

مقروض آدمی کے اثاثہ جات قرض کے تابع ہوتے ہیں لہذا بقدر قرض اموال بھی حوائج اصلیہ میں شامل ہوں گے۔البتہ اگر اثاثہ جات کی قیمت قرض سے اتنی زیادہ ہو کہ وہ نصاب زکواۃ کو پہنچے تو زائد مالیت پر زکواۃ واجب ہوگی۔

موجودہ دور میں بعض قرضے تجارتی بنیادوں پر حاصل کئے جاتے ہیں اور ان پر مختلف شرائط کے تحت کچھ نہ کچھ منافع (سود) اصل مالک کو واپس ملتا رہتا ہے۔اور اس صورت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقروض اس قرض مال پر مکمل مالکانہ تصرفات کرتا ہے۔ اس صورت میں وہ مال مال تجارت کی ذیل میں آتا ہے۔ قرین مصلحت یہ ہے کہ اس پر زکواۃ واجب ٹھہرائی جائے کیونکہ اس میں غریبوں کے حق کا زیادہ تحفظ ہے۔

کمپنیز پر زکواۃ

جہاں تک کمپنیز پر زکواۃ کا مسئلہ ہے تو اس صورت میں چونکہ شریعت میں صاحب نصاب کی اصطلاح فرد پر عائد ہوتی ہے افراد پر نہیں۔ کمپنی کے حصہ داران اگر فرداً فرداً اپنے حصص کے اعتبار سے نصاب کو پہنچتے ہوں تو زکواۃ وضع کی جائے گی۔ لیکن صورت حال اگر اس کے برعکس ہو تو زکواۃ نہیں ہوگی۔

ہیرے جواہرات پر زکواۃ

عورتوں کے بالعموم استعمال میں آنے والے زیورات کے اندر جڑے ہونے جواہرات پر تمام ائمہ کے نزدیک کوئی زکواۃ نہیں سوائے فقہ جعفریہ کے۔ رہا یہ سوال کہ جو شخص جواہرات کی تجارت کرتا ہو تو اس صورت میں یہ جواہرات اموال نامیہ کی ذیل میں داخل ہوجاتے ہیں جب اموال نامیہ میں داخل ہوگئے تو محل زکواۃ ٹھہرے۔ اس لئے ان پر زکواۃ واجب ہوگی۔ ایسی صورت کہ بطور کنز ان کو خرید کر رکھ لیا جائے اور اپنے روپے پیسے کو اس صورت میں محفوظ کردیا جائے تو چونکہ موجودہ دور میں پیپر کرنسی کی قیمت میں اموال کے مقابلہ میں ہمیشہ اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے گویا وہ کنز بھی بنیادی طور پر اموال نامیہ کی ذیل میں آتا ہے۔ اس لئے اس پر بھی زکواۃ واجب ہوگی مزید براں یہ کہ جواہرات حوائج اصلیہ سے خارج ہیں اس لئے بھی زکواۃ ہوگی۔

اموال تجارت پر زکواۃ

اموال تجارت کی زکواۃ کا تعین کرتے وقت اس دن کے تھوک بھاؤ کا اعتبار ہوگا۔ جہاں تک اراضی کا کاروبار کرنے والے اشخاص کی اراضی پر زکواۃ کے تعین کا تعلق ہے تو اگر اراضی زرعی ہے اور اس میں زراعت کرتا ہے تو اس پر عشر عائد ہوگا اور اگر اراضی سکنی ہے یا اس پر زراعت نہیں کرتا تو وہ دیگر اموال تجارت کی طرح اس دن کی قیمت کے حساب سے اس پر زکواۃ واجب ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیئرز اور بانڈز پر زکواۃ

شیئرز دراصل ایک ایسا سرمایہ ہے جو ایک صورت میں مالک کے اپنے قبضے میں بھی ہوتا ہے اور دوسری صورت میں کمپنی میں بھی لگا ہوتا ہے۔ اس پر بیک وقت دو مالکان ہوتے ہیں مثلاً دس روپے کا شیئر خریدنے والا اپنے پاس اس شیئر کا جو معائدہ رکھتا ہے وہ اس کو کسی بھی وقت شیئر مارکیٹ میں بیچ کر اپنے دس روپے وصول کر سکتا ہے جبکہ وہی دس روپے اس وقت کمپنی کی تحویل میں بھی ہوتے ہیں اور کمپنی ان پر مالکانہ تصرف کرتی ہے۔ اب اس صورت میں سوال یہ ہے کہ کیا کمپنی فرد واحد کی طرح زکواۃ ادا کرے یا شیئرز ہولڈر کے حصص کے مطابق تمام شیئر ہولڈر اپنی اپنی زکواۃ ادا کریں۔ شیئرز کی زکواۃ کمپنیز کی زکواۃ کی طرح تمام شیئرز ہولڈر کی انوسٹمنٹ اگر بقدر نصاب ہو تو کمپنی کی جملہ مالیت پر زکواۃ لگادی جائے گی اور اگر شیئرز ہولڈر فرداً فرداً صاحب نصاب نہ ہوتے ہوں تو زکواۃ نہ ہوگی۔

بانڈز

بانڈز میں چونکہ سرمایہ کی ملکیت ایک خاص مدت تک کیلئے نہیں رہتی لہذا جب بانڈ کی مدت ختم ہوگی اور اصل رقم واپس ملے گی تو اس پر زکواۃ ہوگی اور اس پر ملنے والا سود بوجہ حرام ہونے کے زکواۃ سے مستثنیٰ ہوگا۔

محور ثانی: نصاب زکواۃ

سنت ثابتہ میں نصاب زکواۃ کیلئے سونے، چاندی، زرعی اجناس کی پیدوار اور جانوروں کی زکواۃ کا نصاب متعین کیا گیا ہے جس میں آج کے دور میں اگر ان سب چیزوں کے نصاب کو فرداً فرداً دیکھا جائے تو موجودہ دور کی کرنسی کے اعتبار سے نصاب مختلف ہوجاتا ہے مثلاً آج کے دور میں سونے کے نصاب کو کرنسی کیلئے متعین کرنا بہت کھلی چھوٹ ہے اور یہ حوائج اصلیہ کے بعد کہیں اکیس بائیس ہزار روپے کے بعد زکواۃ کو واجب ٹھہراتا ہے۔ اگر چاندی کو نصاب زکواۃ متعین کیا جائے تو یہ حوائج اصلیہ کے بعد تقریباً چھ سات ہزار پر زکواۃ واجب ٹھہراتا ہے۔ اسی طرح زرعی پیدوار کو اگر کرنسی کیلئے نصاب بنایا جائے تو وہ بھی مختلف اجناس کے مختلف ریٹ ہونے کی وجہ سے کسی ایک نتیجے پر پہنچنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دشوار ہے۔ لہذا چونکہ موجودہ دور کی کرنسی سونے کے بالمقابل ہی وجود پذیر ہوتی ہے تو قیاس تو یہی کہتا ہے کہ نصاب کی تعیین کرتے وقت جانوروں اور زرعی اجناس میں تو سنت ثابتہ کا نصاب ہی رائج رکھا جائے اور موجودہ قیمت کے اعتبار سے ان کی زکواۃ وصول کرلی جائے لیکن کرنسی کی زکواۃ وصول کرتے وقت چاندی کے نصاب کو معیار بنایا جائے اس میں غرباء کے حقوق کی زیادہ رعایت ہے۔

جہاں تک صاحب نصاب ہونے پر حرمت زکواۃ کا تعلق ہے تو اس صورت میں بھی چاندی ہی کے نصاب کو معیار مقرر کرنا زیادہ مناسب ہے۔

مصارف زکواۃ

جہاں تک دینی مدارس میں غیر مستطیع طلبہ پر زکواۃ کی مد سے اخراجات کا تعلق ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ غیر مستطیع طلبہ اپنی جملہ صفات کے ساتھ اس کے مستحق ہیں۔مدرسہ کے کارکنان اور عاملین پر اس زکواۃ کی مد سے خرچ بایں صورت کہ وہ ان غیر مستطیع طلبہ کی ضروریات میں سے ہے، جائز ہوگا۔

چونکہ زکواۃ کے مصارف ثمانیہ میں سب سے پہلا مصرف فقراء ہیں اور سب سے آخری مصرف ابن السبیل ہے اور غیر مستطیع طالب علم بالخصوص اپنے شہر سے دور کسی دوسرے شہر میں پڑھ رہا ہے بدرجہ اولی اس ذیل میں آتا ہے۔

جواب سوال نمبر ۲: عاملین کیلئے معاوضہ کا تعین کرتے وقت جہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ محصولات زیادہ ہوں وہاں یہ خیال بھی لازمی ہے کہ عاملین کی ضروریات بصورت احسن پوری ہوں اس میں ایک مسئلہ یہ سامنے آتا ہے کہ آیا حکومت کے سوا کسی دوسری اتھارٹی کو زکواۃ وصول کرنے کیلئے کسی عامل کو مقرر کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟اور اگر ایسا ہوتا ہے تو وہ عاملین کی مد میں آتا ہے یا نہیں؟ ہمارے نقطہ نظر سے وہ اسلامی ممالک جہاں حکومت نے اسلام کا نظام معیشت رائج کیا ہوا ہے اور حکومت خود زکواۃ وصول کرتی ہے وہاں کسی بھی دوسری اتھارٹی کو زکواۃ وصول کرنے کیلئے کسی عامل کے تعین کا اختیار نہیں البتہ ایسے ممالک جہاں حکومتی سطح پر اس کا کوئی بندوبست نہ ہو اور لوگوں کو مستحقین زکواۃ تک اپنے صدقات از خود پہنچانے میں دشواری پیش آئے تو وہاں مسلمانوں کی فلاحی انجمنیں ایسا کرسکتی ہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسے کارندے ان اموال میں سے معروف طریقے سے بر بنائے

من كان غنياً فليستعفف ومن كان فقيراً فلياكل بالمعروف

کے عموم کے اعتبار سے معاوضہ لے سکتے ہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ کمیشن دیا جائے یا مقرر تنخواہ دی جائے تو یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ جس صورت میں مستحق زکواۃ کی رعایت زیادہ نظر آتی ہو وہ اپنائی جاسکتی ہے۔

فی سبیل اللہ

فی سبیل اللہ کے معاملے میں ہمیں کوئی فیصلہ کرتے وقت یہ دیکھنا ہوگا کہ قرآن حکیم نے اور سنت مصطفےٰ کریم علیہ التحیۃ والثناء میں فی سبیل اللہ کا مصداق کیا ہے اور پھر اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ان دونوں سرچشموں سے استفادہ کرنا ہوگا چنانچہ قرآن حکیم میں اگرچہ فی سبیل اللہ کا مفہوم زیادہ تر دفاعی معاملات کیلئے ہی استعمال ہوا ہے اور فی سبیل اللہ کے ساتھ دفاع اور قتال کے الفاظ استعمال ہوئے تاہم یہ لفظ بذات خود محض قتال اور دفاع کیلئے لغوی اعتبار سے وضع نہیں ہوا بلکہ اس میں تقرب الی اللہ کا مفہوم قوی الاثر ہے۔ قرآن حکیم میں بھی انفاق فی سبیل اللہ جہاد فی سبیل اللہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جہاں قتال اور دفاع مراد نہیں ہے۔ مثلاً

(۱) مثل الذين ينفقون اموالهم فی سبيل الله ثم لا يتبعون ما انفقوا منا...

(۲) للفقراء الذين احصروا فی سبيل الله لا يستطيعون ضرباً فی الارض...

(۳) يجاهدون فی سبيل الله ولا يخافون لومة لائم....

(۴) ومالكم ان لا تنفقوا فی سبيل الله....

ان آیات کریمہ کے عموم سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ اموال کے ایسے خرچ پر بھی مطلق طور پر استعمال ہوا ہے جس میں تقرب الی اللہ کا حصول مقصود ہو۔

رہا یہ معاملہ کہ تملیک صدقہ میں ضروری ہے، تو جب صاحب نصاب نے اپنی زکواۃ کسی عامل کے سپرد کردی اور وہ اس پر پوری طرح قابض ہوگیا اور حکومت کے خزانے میں جمع کردی گئی تو صاحب نصاب کی طرف سے زکواۃ کی ادائیگی مکمل ہوئی اب حکومت فی سبیل اللہ کے ان عمومی اطلاقات پر جس سے مقصود اللہ کی مخلوق کی بھلائی اور اس طرح اللہ کی رضا کی تلاش ہو اگر خرچ کریگی تو اس میں کوئی امر مانع نظر نہیں آتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہیں وہ آراء جن میں فی سبیل سے مراد صرف قتال اور جہاد لیا گیا ہے اور دیگر عمومی مصالح شامل نہیں کئے گئے تو وہ اس زمانے کے احوال وظروف کے مطابق برحق اور جائز تھیں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آج جبکہ شرعی اور عمومی مصالح جن پر دین اور ریاست کا دارومدار ہو ان کے لئے فی سبیل اللہ کو عام نہ سمجھا جائے۔ لہذا ہماری رائے میں زکواۃ کی اس مد (۱/۸) سے سب سے پہلے ملکی دفاع اور اس کے بعد اس کام پر خرچ کیا جاسکتا ہے جس سے مقصود تقرب الی اللہ اور ملت اسلامیہ کی اصلاح و فلاح ہو۔ "فی سبیل اللہ" کا مصرف اگر صرف جہاد اور قتال ہوتا تو میرے خیال میں قرآن یہاں قتال اور جہاد کے لفظ کا استعمال کرتا کیونکہ یہ الفاظ قرآن مجید نے دیگر مقامات پر استعمال کئے ہیں۔ قرآن مجید کا یہاں لفظ "فی سبیل اللہ" لانا بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس میں جہاد کے علاوہ لفظ کے عمومی معنی بھی مراد ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com